کوئل کی کوک

کوئل کی کوک ان خوبصورت ترین آوازوں میں سے ایک ہے جنھیں انسانی کانوں نے کبھی بھی سنا ہے۔ گرمیوں کی آمد پر سیاہ رنگ کا نر جب کوکنا شروع کرتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ درختوں کی ہر شاخ ہوا کے دوش پر جھومنا شروع ہوگئی ہے۔ پتوں کی سرسراہٹ اور ہوا کے جھونکوں کے درمیان بلند ہوتی یہ کوک گرمی کی تپش کا احساس بہت کم کردیتی ہے۔ کوئل اگر آم کے درخت پر کوک رہا ہو تو لگتا ہے کہ آموں کی تمام تر مٹھاس کوئل کی کوک میں سرائیت کرگئی ہے اور آم کا درخت با آواز کوئل اپنی مٹھاس کو اردگرد کے ماحول میں تقسیم کررہا ہے۔

کوئل کی کوک کو سننے کا ایک دوسرا زاویہ بھی ہے۔ یہ زاویہ ایک بندہ مومن کا زاویہ ہے۔ ایسا بندہ جو ہر لحظہ خدا کی یاد میں جیتا اور ہر شے میں اسی کی عنایت کا عکس تلاش کرتا ہے۔ ایسے مومن کی درِسماعت پر کوئل کی دلکش کوک جب دستک دیتی ہے تو بے اختیار اسے محسوس ہوتا ہے کہ کائنات کی حمد اور اس کی شکرگزاری کے لیے جس مٹھاس، جس محبت اور جس احساس کی ضرورت ہے، کوئل کی کوک اسی ضرورت کے جواب میں تخلیق کی گئی ہے۔

پروردگار عالم کے ہر مخلوق پر ان گنت احسانات ہیں۔ مگر سب سے بڑھ کر اس کے احسان حضرت انسان پر ہیں۔ اس لیے کہ انسان کو ہر نعمت ملی ہے اور نعمتوں کو محسوس کرنے والا دل بھی ملا ہے۔ مگر اکثر لوگوں کو ان نعمتوں کا شکر کرنے والا دل نہیں ملا ہوتا۔ مگر جن خوش نصیبوں کو یہ دل مل جائے وہ تازیست اسی احساس سے تڑپتے رہتے ہیں کہ خدا کے شکر اور حمد کے لیے کوئی لفظ کافی نہیں ہے۔

ایسے میں گرمیوں کی دوپہر میں جب کوئل کوکتی ہے تو انھیں محسوس ہوتا ہے کہ انھیں ان کی تلاش کا جواب مل گیا۔ ان کی آنکھوں سے شکرگزاری کے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ خدا کے فرشتے ان آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں میں سمیٹنے کے لیے دوڑتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ محبت اور شکرگزاری میں ڈوبے یہ آنسو نمکین نہیں بلکہ کوئل کی کوک کی طرح میٹھے ہیں۔ وہ مٹھاس جس کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔

بندگی کا روزہ

بھوک کی اذیت بھی بہت سخت ہوتی ہے۔مگر گرمی کے طویل روزے میں پیاس کی اذیت بھوک کی تکلیف کو بھلا چکی ہے۔ پیاس سے گلا خشک ہو چکا ہے۔منہ سوکھ چکا ہے۔جسم نڈھال ہو چکا ہے۔ مگر آپ کبھی پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پئیں گے۔اس لیے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔یہ روزہ ہے۔یہ اس کی عظمت ہے جس کی بنا پر ہم اتنی مشقت جھیلتے اوراس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں۔

مگر دوسری طرف ہم سب ایک اور روزہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ بندگی کا روزہ ہے۔ یہ روزہ خدا کی ہر نافرمانی کے ساتھ ٹوٹ جاتا ہے۔مگر ہمیں اس روزے کے ٹوٹنے کا کوئی افسوس نہیں ہوتا۔اس لیے کہ ہمیں اس روزے کے ٹوٹنے کا کوئی احساس بھی نہیں ہوتا۔ہم بندگی کا روزہ ہر روز توڑتے ہیں۔حتیٰ کہ عین روزے کے عالم میں بھی توڑتے ہیں۔مگر ہمارا احساس اس سنگین جرم کو سمجھنے کے لیے مردہ بنا رہتا ہے۔اس لیے کہ ہم نے اس جرم کو کبھی جرم ہی نہیں سمجھا۔

جس وقت ہم فواحش سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔حرام کھاتے اور کماتے ہیں۔لوگوں کے ساتھ ظلم کرتے ،انھیں دھوکہ دیتے اوران کا مال دباتے ہیں، بندگی کا یہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جس وقت ہم جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹ پھیلاتے ہیں۔جس وقت ہم غیبت کر کے کسی کو رسوا کرتے ہیں۔جس وقت ہم الزام و بہتان لگا کر کسی کو بدنام کرتے ہیں۔ بندگی کا یہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جس وقت ہم اپنی خواہشات کو دین بنا لیتے ہیں۔جس وقت ہم اپنے تعصّبات کی بنا پر سچائی کو رد کر دیتے ہیں۔جس وقت ہم عدل وانصاف کے تقاضوں کو پامال کرتے ہیں۔ بندگی کا یہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

کتنے روزہ دار ہیں جو بندگی کا روزہ ہر روز توڑتے ہیں۔کتنا عجیب ہے ان کا روزہ رکھنا۔کتنا عجیب ہے ان کا رمضان کی مشقت جھیلنا۔

رمضان اور رنگین عینک

رمضان سے قبل یہ عارف کی آخری نشست تھی۔ لوگ بڑی توجہ سے ان کی قیمتی باتیں سن رہے تھے۔ گفتگو کا موضوع یہی تھا کہ رمضان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ کس طرح اٹھایا جائے۔ نشست ختم ہونے لگی تو عارف نے کہا:

''میں آخر میں رمضان کے روزوں سے ملنے والا سب سے بڑا سبق آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔''

ہر شخص ان کی بات سننے کے لیے پوری طرح متوجہ ہو گیا۔

''دیکھیے رمضان میں ہم وہ کچھ کرتے ہیں جن کا عام حالات میں شاید سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہمیں وقت پر کھانا نہ ملے تو گھر میں ہنگامہ کر دیتے ہیں۔ پانی نہ پینے اور اس کے لیے شام تک کا انتظار کرنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ عام طور پر نیکی سے بہت دور رہنے والے نوجوان بھی اپنی نوبیاہتا بیوی کی موجودگی میں بھی ایسے بن جاتے ہیں جیسے کمرے میں وہ دونوں تنہا نہیں بلکہ پوری مجلس جمی ہوئی ہو۔ یہ سب روزے کی برکات ہیں۔ مگر کیا آپ نے کبھی سوچا کہ یہ برکت حاصل کیسے ہوتی ہے؟''

لوگ خاموش رہے۔ وہ اس بات کا جواب عارف ہی کے منہ سے سننا چاہتے تھے۔ مگر انھوں نے اپنے سوال کا جواب دینے کے بجائے ایک سوال اور کر دیا۔

''شدید دھوپ کے موسم میں آپ لوگ کبھی گہرے رنگ کا چشمہ لگا کر گھر سے نکلے ہیں؟''

کئی لوگوں نے بیک وقت بلند آواز سے ہاں کہا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''، عارف نے پھر پوچھا۔

''موسم کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ منظر اچھا نظر آنے لگتا ہے۔ آنکھوں پر دباؤ کم ہو جاتا ہے۔ دھوپ کا اثر کم محسوس ہوتا ہے۔ دماغ گرمی کم محسوس کرتا ہے اس لیے جسمانی نظام کم پسینہ خارج کرتا ہے۔ ہر چیز اچھی محسوس ہوتی ہے۔''

بہت سارے جوابات تھے جو لوگوں نے اپنے اپنے تجربے کے مطابق دیے۔

''آپ میں سے ہر شخص نے بالکل ٹھیک کہا۔ عین دوپہر اور سخت گرمی کے وقت بھی جب آپ کے خارج کی دنیا اور جسم کے اندر ہر جگہ گرمی، تپش اور دھوپ کے اثرات چھائے ہوئے ہوتے ہیں، آنکھوں پر لگا ہوا رنگین چشمہ ان اثرات کو بڑی حد تک غیر موثر کر دیتا ہے۔ یہی انسانی نفسیات ہے۔ یہی نفسیات روزے میں کام کرتی ہے اور انسان کو بھوک، پیاس اور دیگر بنیادی جبلتوں پر قابو پانے کی صلاحیت دیتی ہے۔''

''مگر روزے میں تو ہم کوئی رنگین چشمہ نہیں پہنتے؟''، ایک صاحب نے لقمہ دیا۔

''بالکل پہنتے ہیں۔ یہ چشمہ صبر اور امید کے رنگوں سے مرکب ہوتا ہے۔ امید اس بات کی کہ بس افطار تک کی ہی تو بات ہے۔ اور صبر اس چیز پر کہ اس روزے کا اجر اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہے۔ اس اجر کے لیے ہم سب اپنی ضروریات سے رکتے، مشقت جھیلتے اور خواہش پر قابو پالیتے ہیں۔ اور امید رکھتے ہیں کہ چند گھنٹوں بعد پیاس ٹھنڈک سے اور بھوک سیری سے بدل جائے گی۔''

''تو اس میں سبق کیا ہے؟''، ایک اور صاحب نے سوال کیا تو عارف بولے۔

''یہی سبق ہے۔ یہ صبر اور امید کا رنگین چشمہ اصل سبق ہے۔ جو لوگ یہ دو رنگا چشمہ مستقل طور پر لگانا شروع کر دیتے ہیں ان کے لیے زندگی کی ہر آزمائش کو جھیلنا، ہر ناگواری کو سہنا اور رب کی ہر نافرمانی سے رکنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس امید پر کہ بس تھوڑی مدت کی بات ہے پھر ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔ اس امید پر کہ آخرت کا اجر جب ملے گا تو زندگی کی ہر تلخی کو بھلا کر رکھ دے گا، انسان صبر کرتا ہے اور یہ صبر زندگی کو تلخ ہونے سے بچالیتا ہے۔ سو اس رمضان میں جب روزے میں بحالت مجبوری صبر اور امید کا چشمہ لگائیں تو یہ عزم کرلیں کہ باقی گیارہ مہینے بھی یہی رنگین چشمہ لگا کر زندگی کی تلخی کو حوصلے سے پینا ہے۔ اس امید پر کہ جنت کی منزل زیادہ دور نہیں ہے۔''

عارف کی نشست تمام ہوئی۔ روزے کا ایک نیا سبق ہر سامع نے سیکھ لیا۔

رب بول رہا ہے

قرآن مجید سے ہدایت کی جو تاریخ سامنے آتی ہے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک امت بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ اس کی تفصیل قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسانیت کا آغاز جس ہستی یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا تھا وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت پا کر اس دنیا میں تشریف لائے اور انسانیت نے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔

اولادِ آدم کو اول دن سے معلوم تھا کہ انھیں اللہ کی ہدایت کی پیروی کرنی ہے اور اس راستے میں شیطان ان کا سب سے بڑا دشمن ہے جو ہر قدم پر ان کی راہ کھوٹی کرنے کی کوشش کرے گا۔ حسب توقع ابتداء ہی سے شیطان نے اپنی کارفرمائی شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں انسانوں کی عملی گمراہیوں اور ظلم و تعدی کا آغاز ہو گیا۔ اس کی ایک مثال قرآن مجید میں بیان کردہ قابیل و ہابیل کا واقعہ ہے۔ ہابیل اور قابیل نے اللہ کے حضور قربانی پیش کی۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی اور قابیل کی قربانی رد ہو گئی۔ اس پر قابیل نے حسد اور غصے کے شیطانی جذبات کا شکار ہو کر ہابیل کو قتل کر ڈالا۔

رفتہ رفتہ اس عملی گمراہی اور ظلم و تعدی کے ساتھ فکری اختلافات نے جنم لیا اور لوگ دین کی بنیادی ہدایت یعنی توحید کے بارے میں بھی اختلافات کرنے لگے۔ چنانچہ یہی وہ موقع تھا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو بھیجا جو ان اختلافات میں درست بات کی طرف رہنمائی کرتے اور ساتھ میں صحیح رویہ اختیار کرنے والوں کو اللہ کی رحمت، نجات اور جنت کی خوشخبری سناتے اور بدکاروں کو خدا کی پکڑ اور اس کے غضب اور عذاب سے متنبہ کرتے۔

انبیا علیھم السلام وہ ہستیاں تھے جن پر اللہ کی ہدایت بذریعہ وحی نازل ہوتی۔ یہ وحی براہ راست انبیا کے قلب اطہر پر بھی اترتی اور اللہ کے فرشتوں کے ذریعے سے بھی ان تک پہنچائی جاتی۔ وحی کے ذریعے سے ملنے والی یہ ہدایت حضرات انبیا عام لوگوں تک پہنچاتے اور ان کی رہنمائی کرتے۔

تمدن کے ارتقا اور زمانی ضروریات کے پیش نظر ہدایت کے باب میں ایک اگلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ بعد میں آنے والا انبیاء پر وحی کو کتابوں کی شکل میں مرتب کیا جانے لگا۔ اللہ کی مرضی، اس کی ہدایت، اس کا دیا ہوا قانون، اس کی حمد وثنا کے طریقے اور اس کے فیصلے جو انبیاء کی زبانی لوگوں تک منتقل ہوتے، انھیں تحریر کلام کی شکل میں مرتب کر کے محفوظ کر دیا جاتا۔ یوں کتاب کی شکل میں مرتب کردہ ہدایت زیادہ وسیع حلقے تک پھیل جاتی اور انبیا کے رخصت ہونے کے بعد بھی لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کر کے ان کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی۔

اس سلسلے کا آخری قدم وہ تھا جو نزول قرآن مجید کے وقت اٹھایا گیا۔ قرآن مجید کے معاملے میں یہ اہتمام کیا گیا کہ اللہ کی نازل کردہ وحی کے الفاظ حرف بحرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل کیے گئے اور آپ کی زبان مبارکہ سے دنیا کی تاریخ میں پہلی اور آخری دفعہ اللہ کا کلام اس کے اپنے منتخب کیے ہوئے الفاظ کی شکل میں محفوظ کیا گیا۔ یہی وہ چیز ہے جسے تورات میں نبی کریم علیہ السلام کی پیش گوئی کے وقت اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور قرآن میں اسے یتلوا علیهم آیاته (وہ ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے) کے الفاظ سے بیان کیا گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہ اہتمام بھی کیا گیا کہ سلسلہ نبوت چونکہ ختم کیا جا رہا ہے اس لیے اس کلام کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید پچھلی کتابوں کے برعکس ہر طرح کی تبدیلی و تحریف سے محفوظ ہے۔

قرآن مجید میں ایک مزید یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ جن بنیادی چیزوں پر انسان کی نجات موقوف ہے اسے کھول کھول کر اور دہرا دہرا کر اتنا زیادہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی احمق سے احمق آدمی بھی، اگر وہ ہدایت حاصل کرنے میں سنجیدہ ہے تو یہ سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا کہ قرآن مجید کن چیزوں پر آخرت کی نجات موقوف قرار دیتا ہے۔ جن لوگوں کو اس بات کو مزید تفصیل سے سمجھنا ہے وہ راقم کی کتاب ''قرآن کا مطلوب انسان'' کا مطالعہ کر کے یہ دیکھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید اپنے اصل مقصود کو بیان

کرنے میں کتنا زیادہ واضح ہے۔

یہ عوام الناس کے لیے قرآن مجید کی حیثیت ہے۔ جبکہ اہل علم اور خواص کے لیے قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ مشکل ترین علمی، مذہبی اور فلسفیانہ مسائل میں بھی ایک فیصلہ کن بات کہتا ہے۔ ایسے معاملات میں جب کوئی علمی اور ادبی ذوق کا شخص قرآن مجید کی طرف رخ کرتا ہے تو ہمیشہ اپنے دامن مراد کو بھر کر لوٹتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید اب قیامت تک اللہ تعالیٰ کے قائم مقام ہے۔ جس طرح اللہ سے مانگ کر کوئی شخص نامراد نہیں رہ سکتا اسی طرح قرآن کا کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔

مگر دور حاضر میں مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ وہ قرآن کو پڑھتے ہی نہیں۔ جو پڑھتے ہیں وہ بغیر سمجھے اس کے الفاظ دہرانے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ جو سمجھ سکتے ہیں، وہ تدبر اور غور فکر کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ اکثر لوگ قرآن کی ہدایت کو سمجھنے سے قبل ہی اپنے نظریات میں پختہ ہو کر قرآن تک آتے ہیں۔ جس کے بعد قرآن مجید سے انھیں اپنی گمراہی کی تائید کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

یضل به کثیرا...... وما یضل به الا الفاسقین۔

تاہم ماہ رمضان میں ہم میں سے ہر شخص کو یہ موقع ملا ہے کہ وہ قرآن پڑھ کر گمراہ ہو جانے اور اپنے فسق کو اللہ کی نظر میں یقینی بنانے کے بجائے، اس سے ہدایت پائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کے قائم مقام سمجھ کر اسے پڑھا جائے۔ اس یقین کے ساتھ کہ رب بول رہا ہے اور ہم سن رہے ہیں۔ اپنے دل کو ہر نظریے، تعصب اور خواہش سے خالی کر کے صرف اللہ کی بات سمجھنے کی غرض سے قرآن کا مطالعہ کیا جائے۔ کوئی بات سمجھ نہ آئے تو دو چار بڑے اہل علم کی تفاسیر اور اچھے اہل علم سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بعد یقین جانیے کہ جنت کا راستہ آپ پر کھل جائے گا۔ ورنہ اطمینان رکھیے! جہنم هل من مزید (کیا اور لوگ بھی ہیں؟) کی صدا ہر روز بلند کرتی ہے۔ جو لوگ قرآن کی آواز پر لبیک نہیں کہتے جہنم کی اس پکار کا جواب بننا ان کا مقدر ہو جائے گا۔

جی پی ایس سسٹم

جی پی ایس (Global Positioning System) انفارمیشن ایج کی اہم ترین ایجادات میں سے ایک ہے۔ یہ نظام زمین کے گرد گھومنے والے سیٹلائٹ کے ذریعے سے ہر طرح کے موسم اور حالات میں کسی بھی ایسی چیز یا انسان کی نقل حرکت کی پوری معلومات فراہم کرتا ہے جس کے پاس وہ آلہ لگا ہو جو اس سسٹم کے سگنل وصول کرسکتا ہو۔ اسے عام طور پر GPS Tracking System کہتے ہیں۔ اس کا ایک عام استعمال یہ ہے کہ گاڑیوں یا موبائل فون میں یہ سسٹم لگ جاتا ہے جس کے بعد یہ سسٹم ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے میں لوگوں کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ یہ سسٹم ہر قدم پر یہ بتاتا ہے کہ اس وقت آپ کہاں ہیں، ارد گرد کیا علاقے ہیں اور آگے کس سڑک پر جانا اور کون سے موڑ مڑنا ہے۔ آپ غلط موڑ مڑ جائیں تو یہ سسٹم الارم بجا کر یہ بتاتا ہے کہ آپ غلط جارہے ہیں۔

کم وبیش یہی معاملہ انسان اور اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے اپنی وحی یعنی قرآن مجید کے ذریعے سے بالکل واضح طور پر ہدایت کا ایک نقشہ دیا ہے جو انسان کو بتاتا ہے کہ جنت تک پہنچنے کا درست راستہ کیا ہے۔ پھر اس کے دل میں ضمیر نام کا ایک آلہ لگا دیا ہے۔ یہ آلہ ہر قدم پر یہ بتاتا ہے کہ انسان اپنی منزل یعنی جنت تک پہنچنے کے لیے درست موڑ لے رہا ہے یا پھر غلط رخ پر آ گیا ہے۔ مگر بدقسمتی سے اپنی گاڑی اور موبائل میں یہ سسٹم پسند کرنے والے بیشتر لوگوں کو اپنے اندر اس سسٹم کی موجودگی کا احساس نہیں یا پھر وہ اسے بند کر کے رکھنا پسند کرتے ہیں۔

یا ایک دوسرا کام جو ہم لوگ کرتے ہیں وہ یہ کہ اپنی مرضی کے مواقع پر اس سسٹم کو آن کر دیتے ہیں اور جہاں دل چاہتا ہے، اس سسٹم کو آف کر دیتے ہیں۔ مثلاً جو لوگ خواہشات کے مریض

ہوتے ہیں، وہ اپنی خواہشات کی تسکین کے وقت اس سسٹم کو بند کر دیتے ہیں۔ سسٹم لاکھ شور مچائے کہ جو دیکھا جا رہا ہے وہ غلط ہے، جو سنا جا رہا ہے وہ منع ہے، جس سے مزے لیے جا رہے ہیں وہ عمل حرام ہے، مگر انسان اس سسٹم کی ہر پکار سنی ان سنی کر دیتا ہے۔

جو لوگ بہت تعصّبات کے مریض ہوتے ہیں وہ اختلاف رائے کے ہر موقع پر اس سسٹم کو دریا برد کر دیتے ہیں۔ وہ اندھی مخالفت کرتے ہیں، بحث برائے بحث کرتے ہیں، نکتہ آفرینی اور جدال کے ہتھیار لے کر میدان میں اتر جاتے ہیں۔ الزام، بہتان، دشنام ہر چیز سے کام لیتے ہیں۔ مگر جو سچائی اپنے نقطہ نظر کے خلاف ہو اس کو کبھی قبول نہیں کرتے۔ یہ کبھی کر بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ اس معاملے میں یہ اپنے جی پی ایس سسٹم کو بند کر چکے ہوتے ہیں۔

کم و بیش یہی معاملہ ہر شخص کا ہے۔ کوئی انا کے لیے، کوئی حرام کمانے کے لیے، کوئی حرام سے لطف لینے کے لیے اور کوئی شخص نام اور مرتبے میں دوسروں سے آگے نکلنے کے لیے اپنے سسٹم کو عارضی یا مستقل طور پر بند کر دیتے ہیں۔

حالانکہ جو سسٹم ہمیں دیا گیا ہے وہ آخری درجہ کا پرفیکٹ اور مکمل سسٹم ہے۔ بس ایک دفعہ قرآن میں مطلوب صفات کا نقشہ پڑھ لیا جائے اور پھر اپنے ضمیر کی ڈیوائس کو بند نہ کیا جائے تو انسان کا جنت میں جانا یقینی ہے۔ کیونکہ پھر ہدایت کا یہ GPS نظام اسے خود بخود جنت تک پہنچا دے گا۔

شاید انسانوں کے اس رویے کی ایک وجہ یہ ہے کہ انسان واقعی جنت تک پہنچنا ہی نہیں چاہتا۔ وہ جنت پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ وہ خدا پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔ اس کا ایمان ایک وراثتی عقیدہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ورثے میں ملنے والے عقیدے کے لیے لوگ لڑ سکتے ہیں، اس کے مطابق زندگی نہیں گزار سکتے۔ یہی اس سسٹم کی ناکامی کی بڑی وجہ ہے۔

رزق ربانی

''میرے دوست نے مجھ سے کہا کہ آپ نماز پڑھ لیجیے میں انتظار کر لیتا ہوں۔''، امتیاز صاحب مجھے اپنا ایک واقعہ سنا رہے تھے۔ یہ واقعہ کیا تھا، احسان و اعتراف کے اعلیٰ انسانی وصف کا ایسا بیان تھا جس کا ہم لوگ روزمرہ زندگی میں اکثر تجربہ کرتے رہتے ہیں۔ انھیں ایک دن قبل کسی جگہ جانا تھا۔ ان کے ایک دوست جو اسی طرف جا رہے تھے، انھوں نے پیشکش کی کہ وہ اُن کے ساتھ چلیں۔ چنانچہ امتیاز صاحب کے دوست انھیں ان کی منزل پر لے گئے۔ واپسی پر ظہر کا وقت ہو گیا تو امتیاز صاحب نے نماز پڑھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر ان کے دوست نے تاخیر کا برا مانے بغیر وہ جملہ ادا کیا جو شروع میں بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد کا احوال انھی کی زبانی سنیے۔

''میں نماز پڑھنے لگا۔ اسی دوران میں مجھے خیال آیا کہ اس شخص نے میرے ساتھ بڑی مہربانی کی ہے۔ میرا دل اس کے لیے احسان مندی کے جذبات سے بھر گیا۔ مگر اگلے ہی لمحے مجھے احساس ہوا کہ میں ایک ایسے احسان پر شکر گزار ہوں جو نہ کیا جاتا تو مجھے زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ لیکن جس ہستی کے سامنے میں اس وقت کھڑا ہوا ہوں، میری ساری زندگی اس کے عظیم ترین احسانوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے۔ میرا جسم، میری روح، میرا گھر، بیوی بچے، مال و اسباب، میرا ہر لمحہ، زندگی کا ہر پہلو، وجود کا ہر گوشہ اس کریم کے احسانات سے زیر بار ہے۔ اس کی ایک نعمت بھی چھن جائے تو میں برباد ہو جاؤں گا اور زندگی رنج و الم کی داستان بن جائے گی۔

میں تڑپ کر سجدے میں گر گیا۔ میں نے کہا کہ مالک! مجھ پر تیرے بے شمار احسان ہیں۔ مگر میں شکر گزاری کے بجائے معمولی محرومیوں اور وقتی مسائل کا رونا روتا رہتا ہوں۔

میرے مالک میں نے تیری بہت بڑی عنایات کو بہت تھوڑا سمجھا اور تیری معمولی آزمائش کو بہت بڑا بنادیا۔ تو نے زندگی میں مجھے ہزاروں نعمتیں دیں، مگر میں ملے ہوئے ہزار کو بھول کر اور بے شمار کو چھوڑ کر ایک دو نہ ملی ہوئی چیزوں پر ناشکری کرتا رہا ہوں۔ میرے اس جرم عظیم کو معاف کر دے۔''

میں نے امتیاز صاحب سے کہا:

''آپ نے کل نماز کا قیام نہیں کیا بلکہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں قیام کیا تھا۔ آپ نے کل نماز میں سجدہ نہیں کیا تھا، رزق ربانی سے اپنا دامن بھرا تھا۔ آپ کی کل کی نماز، عام نماز نہیں تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات تھی۔ آپ کی شکر گزاری کا سجدہ بظاہر زمین پر ہوا تھا۔ مگر درحقیقت یہ سجدہ خدا کے قدموں میں کیا گیا ہے۔ اس ملاقات پر خوشیاں منائیے۔ اس سجدے پر ناز کیجیے۔ یہ سجدہ نصیب والوں کو ملتا ہے۔ خاص کر آج کل کے اس دور میں جب ہر شخص ساری نعمتیں پاکر صرف ایک دو چیزوں کے نہ ملنے یا کم ملنے پر عمر بھر ناشکرا بنا رہتا ہے۔''

پروفیسر محمد عقیل

شیطان اور مرد و زن

علامہ ابن جوزی چھٹی صدی ہجری کے ایک مشہور عالم، واعظ اور مصنف ہیں۔ آپ نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب تلبیس ابلیس میں شیطان کے پھندوں کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح شیطان انسان پر حملہ آور ہوتا اور اسے راہ راست سے ہٹا دیتا ہے۔ اسی کتاب میں انہوں نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی جگہ پر ایک بہت عابد اور زاہد شخص رہا کرتا تھا۔ وہ ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہتا اور دنیاوی کاموں سے کوئی رغبت نہ رکھتا تھا۔ ایک دن اس کے محلے کا ایک شخص اس کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ وہ اس کی بہن کے کھانے پینے کا ذمہ لے لے کیونکہ کچھ دنوں کے لئے وہ شہر سے باہر جا رہا ہے۔ اس عابد نے حامی بھر لی۔

اب ہوتا یوں کہ ہر روز وہ لڑکی اس زاہد کے معبد میں کھانے کے وقت آتی اور دروازہ کھٹکھٹاتی۔ عابد دروازے کی اوٹ ہی سے اسے وہ کھانا دے دیتا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک دن شیطان نے عابد کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ وہ لڑکی اتنی دور سے چل کر آتی ہے، دس لوگ اسے دیکھتے ہیں۔ تو اسے تکلیف سے بچانے کے لئے کیوں نہ عابد ہی اس کے گھر پر کھانا پہنچا دیا کرے۔ عابد کو لڑکی سے بڑی ہمدردی محسوس ہوئی اور اس نے یہی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ اب عابد روزانہ اس کے دروازے پر دستک دیتا اور لڑکی اوٹ سے کھانا لے لیتی اور عابد واپس چلا جاتا۔

پھر شیطان نے مزید وسوسہ ڈالا کہ یہ لڑکی اکیلی ہے، اس کی دلجوئی کے لئے کیوں نہ دروازے پر کھڑے کھڑے اس سے بات کرلی جائے۔ اس طرح اس کا دل بہل جائے گا۔ اس مرتبہ بھی عابد نے عقل کی بجائے وسوسے پر عمل کیا اور وہ لڑکی سے باتیں کرنے لگا۔ جب کچھ دن گزر گئے تو شیطان نے سمجھایا کہ اس طرح باہر کھڑے ہو کر باتیں کرنا تو مناسب نہیں، چار لوگ دیکھتے ہیں۔ بہتر ہے گھر میں بیٹھ کر دلجوئی کرلی جائے، آخر حرج ہی کیا ہے؟ تو عابد اب گھر کے

اندر آ کر اس لڑکی سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔

پھر شیطان کو زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی اور عابد بالآخر زنا کر بیٹھا جس کے نتیجے میں ایک بچہ بھی پیدا ہو گیا۔ اب شیطان نے اسے سمجھایا کہ یہ تو نے کیا کر دیا، تیری ساری عبادت ریاضت کے باوجود لوگ تجھے مار ڈالیں گے، اگر جان پیاری ہے تو یہ کام تو خود کر۔ پھر کیا تھا، عابد نے لڑکی اور بچے دونوں کو قتل کر کے اسی مکان کے نیچے دفن کر دیا۔

کچھ عرصے بعد اس لڑکی کا بھائی واپس آیا اور اس لڑکی کے بارے میں پوچھا۔ عابد نے کہہ دیا کہ وہ ایک بیماری کا شکار ہو گئی تھی اس لئے وہ مر گئی اور اسے قبرستان میں دفنا دیا گیا ہے۔ بھائی رو پیٹ کر خاموش ہو گیا کیونکہ اسے عابد پر یقین تھا۔ ایک دن شیطان اس بھائی کے خواب میں آیا اور یہ دکھایا کہ اس کی بہن کی لاش اسی مکان کے نیچے دفن ہے اور اس کا بچہ بھی ہے اور یہ کام عابد نے کیا ہے۔ بھائی نے جب کھدائی کی تو ساری حقیقت سامنے آ گئی۔ اس نے عابد کو قتل کر دیا۔ یوں شیطان نے ایک تیر سے کئی شکار کر لئے۔

یہ ایک حکایت ہے۔ اس کا اطلاق اگر ہم آج اپنی سوسائٹی میں کریں تو شیطان مختلف ہتھیاروں سے لیس ہو کر عورت اور مرد کو ورغلا رہا ہے کہ وہ اپنے رب کی نافرمانی کریں۔ مثال کے طور پر وہ تعلیمی اداروں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو ورغلاتا ہے وہ ایک دوسرے کو غلط نگاہ سے دیکھیں اور بہانا یہی کہ اس سے کیا ہوتا ہے صرف دیکھ ہی تو رہے ہیں۔ جب اس میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ایک دوسرے کے دل میں ہمدردی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک نوجوان صنف مخالف کی معمولی تکلیف پر بھی اس سے ہمدردی محسوس کرتا اور اسے دور کرنا اپنا فرض عین سمجھتا ہے۔ حیلہ وہی کہ یہ تو ایک اچھا کام ہے۔

اگلے مرحلے میں بات چیت کا آغاز ہوتا ہے جس کے پیچھے یہی محرک ہے کہ بات چیت میں کیا حرج ہے، یہ تو ماڈرن دور ہے، زمانے کے ساتھ چلنا چاہئے ورنہ لوگ دقیانوسی سمجھیں گے۔

اس کے بعد فون پر گفتگو، چیٹنگ ، ایس ایم ایس کا تبادلہ اور نوبت ملاقاتوں تک پہنچ جاتی ہے۔ان سب باتوں کے باوجود ضروری نہیں کہ اس کا منطقی انجام زنا ہی ہو۔ممکن ہے اس اختلاط کا انجام نکاح ہی ہو لیکن بہرحال شیطان ان طلبا کو اچھے کیریئر، صالح اخلاق، یکسوئی، اور ماں باپ کی فرماں برداری سے تو بالعموم محروم کرہی دیتا ہے۔ اس کے برعکس منتشر خیالی، بے مقصدیت، وقت کا ضیاع، اعضاء کا گناہ اور خدا کی نافرمانی کے واقعات رونما ہوتے چلے جاتے ہیں۔بعض اوقات یہ محفلیں شراب و کباب کی محفلوں تک لے جاتی ہیں تو کبھی رقابتیں قتل و غارت گری کو جنم دیتی ہیں۔

بہرحال شیطان نے ہر مزاج کے لوگوں کے لئے پھندے تیار کرر کھے ہیں۔ان سب باتوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور شیطان کو کھلی چھٹی ہے۔قرآن کے مطابق شیطان کا کام صرف ورغلانا اور وسوسے پیدا کرنا ہے اور بس۔شیطان کسی کو ہاتھ پکڑ کر مجبور نہیں کرسکتا۔اسی لئے جو بھی شیطان کے جھانسے میں آ گیا تو وہ خود اپنے کیئے کا ذمہ دار ہے۔ آخر میں شیطان یہ کہہ کر الگ ہو جاتا ہے کہ میں تمہارے عمل سے بری ہوں۔

کرنے کا کام یہ ہے کہ شیطان کے وسوسوں کو پہچانیں اور اس کے جھانسے سے بچنے کے لئے کوئی بھی عمل کرنے سے پہلے اس کا تجزیہ کریں اور اپنے رب کی منشا معلوم کریں۔اگر وہ عمل قرآن وسنت کی روشنی میں درست ہو تو آگے بڑھیں ورنہ اسے شیطان کے منہ پر دے ماریں۔ یہ بلاشبہ ایک مشکل کام ہے لیکن صالح صحبت، قرآن کا فہم، اچھی کتب کا مطالعہ، اپنی شخصیت کا ادراک، اپنے نفس پر قابو پانا اور اپنے رب سے مسلسل دعا شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے اکسیر ہے۔اس جنگ میں ابتدا ہی سے ہتھیار ڈال دینا اپنی زندگی شیطان کے حوالے کرنے کے مترادف ہے۔

فرح رضوان

نافرمان بچوں سے نمٹنے کا طریقہ

قریباً گیارہ سال کے بعد سے اکثر بچوں میں ضد، غصہ، من مانی، ہٹ دھرمی جنم لینا یا بڑھنا شروع ہوجاتی ہے۔ بات بات پر روتے یا بحث کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ والدین ان کی اصلاح کی خاطر ان کو ٹوکتے بھی ہیں ڈانٹتے اور سزا بھی دیتے ہیں۔ کبھی تو یہ طریقہ بہت اچھا کام کرجاتا ہے لیکن کہیں الٹا ری ایکشن ہی دیکھنے میں آتا ہے، تب والدین کو پیروں تلے زمین سرکتی اور مٹھی میں سے ریت پھسلتی محسوس ہوتی ہے۔

بڑھتی عمر کے بچوں کے اس تحفے کو سائنس یا بائیولوجی ہارمونز کی تبدیلی کہیے یا کچھ اور، لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ گزرے کل کا ایک کمزور ناسمجھ بچہ آنے والے کل میں جو طاقت، شعور اور صلاحیتوں کا سرچشمہ بننے چلا ہے، جس کے ذریعے وہ ڈھیروں نیکیاں سمیٹ کر جنت کا حقدار بن سکتا ہے۔ انگنت افراد کے لیے بہترین صدقہ جاریہ بھی بن سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بے شمار مسلمانوں کے لیے شفاعت کا ذریعہ بھی۔ تو شیطان، جو انسان کا ازلی دشمن ہے وہ کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ ابن آدم آسانی سے یہ مقام حاصل کرلے۔ ہم تو بھول جاتے ہیں لیکن شیطان اپنے وعدے کو نہیں بھولتا جو اللہ تعالیٰ سے اس نے کیا تھا کہ وہ انسانوں کو گمراہ کرکے دم لے گا۔

دنیا بھر میں، لیڈرز، سیاسی تنظیمیں وغیرہ ہمیشہ اپنا فوکس یوتھ پر اسی لیے تو مرکوز رکھتی ہیں کہ ناسمجھی کے باعث ان کی ذہن سازی کرنا سہل اور ان میں موجود جوش، پھرتی، کچھ کر دکھانے کی تمنا کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا بہت آسان ہوتا ہے اور یوں پختہ عمر ہوجانے کے باوجود بھی یہ وہی سوچتے ہیں جس کا بیج نوعمری میں ان کے ذہنوں میں بویا گیا تھا.... تو بھلا شیطان کیوں اس

کام میں پیچھے رہ سکتا ہے وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ ان نوعمر بچوں پر حملہ آور ہوتا رہتا ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ بچہ مقابلے کے لیے تنہا ہوتا ہے بلکہ فرشتے بھی بچے کی حفاظت پر معمور ہوتے ہیں، اوراس کا ضمیر بھی نفس سے جنگ میں اس کی مدد کرتا ہے۔اسی جنگ و جدل کی وجہ سے اکثر اوقات نوعمر بچے یا تو اچانک بہت سرد مہری کا شکار ہو کر خاموش اور ڈبو ہو جاتے ہیں یا بہت گرم مزاج، غصیل اور ڈھیٹ۔

مسلسل اور شدید برفباری میں گھروں کے باہر چمنیوں سے جب اچانک بھرا ہوا دھواں نکلتا ہے تو تسلسل سے برستے روئی سے گالے کچھ دیر کو اس افتاد کے سبب تتر بتر ہو کر رہ جاتے ہیں، یہ منظر دیکھ کر ایسے ہی سر پھرے، مونہہ پھٹ، غیظ وغضب سے پھنکارتے ٹین ایجر کا خیال آتا ہے کیونکہ بالکل اسی طرح کی ایک مسلسل جنگ ان کے اندر بھی چل رہی ہوتی ہے۔نیکی اور بدی کے مابین۔

اس پریشانی کا حل بات چیت سے ہی ممکن ہے لیکن عموماً بچے کیونکہ بات کرنے سے ہی کترانے لگتے ہیں لہٰذا ان کے پیچھے پڑنے سے بہتر، اس کا سادہ آسان اور آزمودہ نسخہ ہے، انہیں قصے اور کہانیاں سنانا۔ جو انتہائی دلچسپ بھی ہوں اور ان کے کرداروں کے حالات بچے سے ملتے جلتے بھی ہوں، ساتھ ہی مختلف نوعیت کے مسائل اور ان کا درست اور قابل عمل حل بھی ان قصوں میں موجود ہو تو ان شا اللہ بہت جلد بچے میں بہتری نظر آئے گی۔ساتھ ہی والدین کو ہمت، حکمت، صبر، نرمی، درگذر، توکل اور امید کا دامن ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔

اکثر والدین کو اپنے بچوں کی عاقبت اور اللہ تعالیٰ یا اپنے جاننے والوں کے سامنے اپنی جوابدہی کی شدید فکر لاحق ہوتی ہے۔ والدین کا احساس ذمہ داری اپنی جگہ انتہائی اہم ہے، لیکن انہیں یہ بات کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ مسلمان کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان کو اذیت نہیں پہنچنی چاہیے، اور آپ کا بچہ بھی ایک مسلمان ہے۔اولاد ضرور آپ ہی کی سہی لیکن

امانت اللہ تعالیٰ کی ہے۔دوسرا یہ کہ قرآن اگر یہ کہتا ہے کہ اپنی اولاد کو جہنم سے بچاؤ تو اسی قرآن کا درس یہ بھی تو ہے کہ کوئی آپ سے برا سلوک روا رکھے تب بھی آپ بہترین اخلاق کا مظاہرہ کریں، یوں اس کا دل آپ کی جانب کھنچا چلا آئے گا اور وہ آپ کا بہترین گرمجوش دوست بن جائے گا۔حدیث سکھاتی ہے کہ جو نرمی سے محروم رہا وہ ہر خیر سے محروم رہ گیا۔جبکہ رویوں میں نرمی زینت کا باعث بنتی ہے۔اور اگر لگتا ہے کہ اب آپ کی اولاد بالکل ہاتھوں سے ہی نکل گئی تب بھی یہ حوصلہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رعایت دی ہے کہ زمین سے آسمان تک گناہ کیے ہوں اور پھر بھی شرک نہ کیا ہو تو اگر وہ چاہے تو بخش دے گا اور آج یہ یاد رکھنا نہایت ضروری اس لیے ہے کہ خدانخواستہ آپ کی بار بار کی سرزنش کے ردعمل کے طور پر بچہ کفریہ کلمات اور خیالات کا شکار نہ ہو جائے۔

لہٰذا سب سے پہلے اپنا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ آیا آپ نے اپنی اولاد کو واپس درست راستے پر لانے کے لیے حالات اور بچے کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے درست حکمت عملی اختیار کی ہے یا صرف خوف کے ہاتھوں انزائیٹی، غصے اور چیخ وپکار کا شکار ہو کر بچے کو ہر وقت ٹوکنے، ڈانٹنے، باز پرس کرنے، ڈرانے دھمکانے، کوسنے اور بلآخر زچ ہو کر رہ جانے میں مبتلا ہو گئے ہیں؟

پہلی قسم کے والدین کو دعا اور صبر کے ساتھ امید کا دامن تھامے رکھنا چاہیے جبکہ سخت رویے کے حامل والدین کو بہت سی تلخ حقیقتوں کو سمجھنے اور خود کو آرگنائز کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

اگر آپ کو اندازہ ہے کہ دین کے معاملے میں آپ سے بھی بہت کوتاہیاں ہوتی رہی ہیں تو توبہ کر کے اپنے رب کو منانے میں ذرا دیر نہ کریں، اور اگر آپ کو گمان ہے کہ آپ بہت نیک بندے ہیں تب بھی توبہ تو لازم ہے ہی، ساتھ ہی حوصلہ رکھیں کہ یہ پریشانی آپ کے لیے آزمائش بھی ہو سکتی ہے، ممکن ہے کہ ان تکالیف کو جھیلنے اور ان پر صبر کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

سوال و جواب

ابو یحییٰ

گرمیوں کے طویل روزے

سوال: السلام علیکم،

امید ہے آپ خیریت سے ہیں۔ ابو یحییٰ صاحب آپ نے کافی عرصہ پاکستان سے باہر گزارا ہے لہٰذا میں سمجھتی ہوں کہ آپ اس سوال کا بہتر جواب دے سکتے ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ قریب ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قطب شمالی کے قریب مثلاً شمالی کینیڈا اور سٹاک ہوم وغیرہ میں رہنے والے لوگوں کے لیے گرمیوں میں دن بہت لمبا ہوتا ہے۔ پچھلے سال روزے کا دورانیہ ان علاقوں میں تقریباً بیس سے اکیس گھنٹے تھا۔ اس صورتحال میں ان مریضوں اور حاملہ خواتین کے لیے روزہ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے جنہیں پورا دن مسلسل پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ کچھ لوگوں نے مکہ مکرمہ کے اوقات کے مطابق روزہ رکھنا شروع کر دیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ اس کی کیا توجیہ کرتے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ اس ضمن میں اسلام کیا کہتا ہے اور برائے کرم اس بات کو مدنظر رکھیے کہ دوسرے مہینوں میں روزہ رکھنا زیادہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ دوسروں کے ساتھ روزہ رکھنے کے برعکس اکیلے روزہ رکھنا زیادہ مشکل کام ہے۔ انیلہ یاسمین

جواب: محترمہ انیلہ یاسمین صاحبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبادات اور احکام شریعت کے بارے میں دین اسلام کا بنیادی اصول جو سورہ بقرہ کے آخر میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

یہی وہ اصول ہے جس کی بنیاد پر دین اسلام میں تمام شرعی معاملات میں رعایت دی گئی

ہے۔مثال کے طور پر نمازوں کا قصر کرنا، وضو کی جگہ تیمّم کی اجازت وغیرہ۔ایسی ہی اجازت اللہ تعالیٰ نے روزوں کی فرضیت کے ضمن میں مسافروں اور مریضوں کو دی ہے۔اس حالت میں چونکہ روزہ رکھنا مشقت کا کام ہے اس لیے بعد میں ان روزوں کی قضا کی جا سکتی ہے۔

اسی اصول پر آپ اپنے سوال کا جواب خود جان سکتی ہیں۔مریض اور حاملہ خواتین کو رمضان کے روزے چھوڑنے کی اجازت ہے۔

جہاں تک مکہ کے وقت کے مطابق روزہ رکھنے کا سوال ہے تو یہ رائے انھی مقامات کے بارے میں دی جا سکتی ہے۔ جہاں عملی طور پر دن اور رات کا فرق مٹ چکا ہو اور متواتر دن یا رات رہتا ہو۔جن خطوں میں دن بہت طویل ہو جاتا ہے وہاں ہماری رائے میں روزہ رکھنا چاہیے۔اگر کسی کے لیے یہ ممکن نہ ہو اور باعث ضرر ہو تو پھر وہ دوسرے دنوں میں قضا کر لے۔یہ قضا بہر حال کرنی چاہیے اور سستی اور غفلت کو عذر نہیں بننا چاہیے۔

ہندوستان میں پیغمبروں کی آمد

سوال: السّلام علیکم

ہندوستان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علاقہ کئی ہزار سال سے انسانوں کا مسکن رہا ہے۔مگر قرآن یا دیگر صحائف سے یہاں کسی نبی کی آمد کا سراغ نہیں ملتا. یہی معاملہ امریکا وغیرہ کا ہے۔کیا اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسانوں کی طرف پیغمبر نہیں بھیجے؟ یا ہم ان سے لاعلم ہیں؟ پلیز وضاحت فرما دیں۔ محمد سجاد نواز

جواب: اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کی طرف انبیاء بھیجے ہیں اور ہدایت کو تمام لوگوں تک براہ راست پہنچانے کا اہتمام کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ہر قوم کے لیے ایک ہدایت دینے والا ہوتا ہے۔، سورۃ الرعد: 7

یہ آپ کے سوال کا اصولی جواب ہے۔ رہا یہ سوال کہ ہندوستان یا امریکہ میں کسی نبی کی آمد کا سراغ نہیں ملتا تو یہ بات ٹھیک ہے۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہاں نبی نہیں بھیجے گئے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان انبیا کے قصے بیان ہوئے ہیں جن سے اس کے اولین مخاطبین یعنی بنی اسماعیل کے عرب اور یہود و نصاریٰ واقف تھے۔ یہی وہ انبیا ہیں جن کا ذکر ان کی روایات میں موجود تھا یا پھر ان کی کتابوں میں ان کے حالات تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور نبی کا بیان قرآن مجید نے نہیں کیا۔

ظاہر ہے کہ اس مطلب یہ نہیں کہ باقی اقوام کے لیے نبی نہیں تھے۔ اس کا جواب تو مذکورہ بالا آیت نے دے دیا کہ ہر قوم کے لیے ہدایت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

لڑکیوں کا مسترد کیا جانا

<u>سوال:</u> بھائی وہ آپ کی شادی والی بک ''یہ نعمت مصیبت کیوں بن گئی ہے'' میں لڑکیوں کی ریجکشن کا ذکر نہیں۔ حالانکہ آدھی سے زیادہ لڑکیاں خراب ہی بار بار ریجکٹ ہونے کی وجہ سے ہوتی ہیں اور اس میں تو والدین کی بھی غلطی نہیں۔ کچھ تو اس سے اللہ کہ قریب ہو جاتی ہیں مگر اللہ کو اس کا قصوروار سمجھنے والوں کی تعداد زیادہ ہے تو آپ اس پہ کوئی آرٹیکل لکھیں۔ عدیلہ کوکب

<u>جواب:</u> لڑکیوں کی ریجیکشن بڑی تکلیف دے شے ہے۔ مگر یہ اس مضمون کا موضوع نہ تھا۔ لڑکیوں کو بھی اسے ریجیکشن کے طور پر نہیں لینا چاہیے۔ انھین سوچنا چاہیے کہ یہ نصیب ہی میں نہیں تھا۔ یا اس میں اللہ کی طرف سے بہتری نہیں تھی۔ یہ اصل میں ریجیکشن ہوتی بھی نہیں ہے۔ بلکہ ترجیح یا ذوق اور حالات کا معاملہ ہوتا ہے۔ یہ ہر شخص کا حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی ترجیح اور ذوق

کے لحاظ سے معاملہ کرے۔ اس پر برا نہیں ماننا چاہیے۔ اللہ سے دعا کرتے رہنا چاہیے۔ جلد یا بدیر اچھا رشتہ آ ہی جائے گا۔ لیکن کبھی کسی بہن کے ساتھ معاشرے نے یہ ظلم کیا کہ اس کی شادی نہیں ہوسکی تو اسے یقین رکھنا چاہیے کہ جنت میں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے کسی بہت اچھے بندے سے اس کی شادی کراوئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی مظلوم بہنیں زندہ گاڑی ہوئی بچیوں سے مختلف نہیں ہیں۔ انشاء اللہ ان کو انصاف ضرور ملے گا۔

بس آپ امید کی شاہراہ کو اختیار کرلیجیے
کامیابی کا ہر راستہ اسی راہ سے نکلتا ہے (ابو یحییٰ)

اپنی شخصیت اور کردار کی تعمیر کیسے کی جائے؟

محمد مبشر نذیر

جب ہیرے کو کان سے نکالا جاتا ہے تو یہ محض پتھر کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ ایک ماہر جوہری اسے تراش خراش کر انتہائی قیمتی ہیرے کی شکل دیتا ہے۔ انسان کی شخصیت کو بھی تراش خراش کر ایک اعلیٰ درجے کی شخصیت بنانا بھی اسی قسم کا فن ہے۔ اگر آپ بھی یہ فن سیکھنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کیجیے۔

قیمت: 120 روپے (ڈسکاؤنٹ کے بعد)

سلسلہ روز و شب

ابو یحییٰ

انسان کا تہذیبی سفر اور ذبح کے وقت اللہ کا نام

سلسلہ روز شب کے عنوان سے عام طور پر جو تحریریں میں لکھتا ہوں ان کی دو بنیادی خصوصیات ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ وہ رسالے کے عمومی مزاج کے برخلاف قدرے طویل تحریر ہوتی ہے۔دوسرے اس میں کوئی علمی بحث بھی کسی نہ کسی پہلو سے موجود ہوتی ہے۔ جبکہ رسالے کے ابتدا میں عام طور پر بہت مختصر تذکیری اور اصلاحی تحریریں ہوتی ہیں جن کا موضوع ایمان و اخلاق کی اصلاح ہوتا ہے۔

اس طرح کی تحریریں ان قارئین کے لیے خاص طور پر لکھی جاتی ہیں جو علمی ذہن رکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے ذوق مطالعہ کی بنا پر ان پر قدرے طویل تحریر بھی گراں نہیں گزرتی ہے۔اس ماہ کے شمارے میں بھی قارئین کی خدمت میں ایسی ہی ایک تحریر پیش ہے۔ یہ اصلاً دو خطوط ہیں جو دبئی میں مقیم ایک دوست کو لکھے گئے۔ پہلے میں انسانی تمدن کے آغاز کے حوالے سے میری ایک تحریر کی کی جانے والی تنقید کا جواب ہے۔جبکہ دوسرے میں نے اس نقطہ نظر کی غلطی واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام لینا ضروری نہیں۔ ذیل میں آپ دونوں خطوط ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

انسان کا تہذیبی سفر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

سب سے پہلے تاخیر کے لیے معذرت۔ میں گھر میں نہیں تھا۔ واپس آیا تو پرانے کام کافی

تھے۔ خاص طور پر رسالہ وقت پر تیار کرنا بہت ضروری ہوتا ہے جس کا بہت سا کام خود کرنا ہوتا ہے۔ بس اسی میں مصروف تھا۔ اور اب فارغ ہو کر ابھی آپ کو ای میل لکھنا ہی شروع کیا ہے کہ آپ کا ای میل آ گیا۔

آپ نے اپنے ای میل میں میری جس تحریر کا حوالہ دیا ہے وہ میری کتاب ''کھول آنکھ زمیں دیکھ'' میں موجود ہے۔ یہ تحریر میں نے نیویارک کے امریکن میوزیم آف نیچرل ہسٹری سے واپس آنے کے بعد لکھی تھی۔ اس کا مقصد اہل مغرب کے اس علم الانسان پر تنقید تھا جس کے مطابق انسان نے اپنی زندگی کے سفر کا آغاز وحی کے بغیر کیا ہے اور وہ بتدریج ایک حیوانی انسان سے روحانی انسان تک پہنچا۔ یہ جسمانی ارتقا سے آگے کی بات ہے یعنی روحانی اور ذہنی ارتقا کا معاملہ ہے۔ اس کی تائید میں اہل مغرب فوسلز کا ریکارڈ پیش نہیں کرتے۔ فوسلز کا ریکارڈ تو ارتقا کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ انسان کے روحانی ارتقا کے لیے تو وہ افریقہ اور آسٹریلیا کے ان وحشی قبائل کو پیش کرتے ہیں جن کو اہل مغرب نے انیسویں صدی میں کالونیل ایج میں دریافت کیا تھا اور جو اُس وقت ہر طرح کے تمدن سے دور توہم پرستی کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے سمجھا کہ تمام انسانوں کا آغاز اسی طرح ہوا ہے۔ باقی لوگوں نے تو تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہب میں بھی ارتقاء جاری رکھا لیکن یہ لوگ یہیں رہ گئے۔

میں نے اس نظریے کے جواب میں دو دلائل پیش کیے۔ پہلی دلیل یہ تھی کہ یہ مفروضہ ہی درست نہیں کہ اگر کوئی غیر متمدن قبیلہ کہیں مل جائے تو اس سے یہ ماننا لازمی ہو جاتا ہے کہ باقی سارے انسان بھی اسی غیر متمدن جگہ سے اٹھے۔ میں نے دلائل سے یہ واضح کیا ہے کہ بہت سے حالات کی بنا پر یہ ممکن ہے کہ تمدن کا یہ سفر آگے کے بجائے پیچھے کی طرف ہو جائے۔ میرا قیاس ہے کہ ان قبائل کے معاملے میں ایسا ہی ہوا ہے۔

اس کے جواب میں یہ بات کہنا کہ فوسلز کے ریکارڈ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدیم انسان غیر متمدن ہی تھا ایک نامعقول بات ہے۔ جیسا کہ پیچھے عرض کیا ہے کہ فوسلز ارتقا کے ثبوت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ تمدن کے فوسلز نہیں ہوتے، آثار (articraft) ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمدن کے ارتقا کی تو میں نے نفی نہیں کی ہے۔ ظاہر ہے انسانوں کا مجموعی تمدن بتدریج آگے بڑھا ہے۔ میں نے تو یہ واضح کیا ہے کہ ضروری نہیں کہ تمدن ہمیشہ آگے بڑھے بلکہ استثنائی طور پر اس کا پیچھے کی سمت سفر بعید از قیاس نہیں۔ جو وحشی قبائل زیر بحث ہیں وہ ظاہر ہے کہ بہت ابتدائی دور میں انسانیت کے قافلے سے جدا ہوئے ہوں گے جب تمدن ویسے ہی بالکل ابتدائی مرحلے میں تھا۔ ایسے میں یہ عین ممکن ہے کہ حالات کے جبر کی وجہ سے وہ کسی خاص خطے تک محدود ہو کر رہے سہے تمدن سے بھی محروم ہو گئے ہوں۔ اس میں کیا بات عجیب ہے جس کا انکار کیا جائے۔

جہاں تک زمانہ قبل از تاریخ میں انسانوں کے چین سے امریکا جانے والی میری بات پر اعتراض ہے تو یہ اس فن کے ماہرین کی ایک تھیوری ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ بہت حد تک قابل قیاس ہے کیونکہ آج بھی نقشے میں نگاہ ڈال کر دیکھا جا سکتا ہے کہ جس جگہ بحر بیرنگ ہے وہاں امریکی ریاست الاسکا یعنی براعظم امیریکا براعظم ایشیا سے مل رہا ہے۔ یہ پورا برفانی علاقہ ہے۔ اس لیے یہ بات درست لگتی ہے کہ چینی نسل کے لوگ براستہ موجودہ روس امریکا پہنچے تھے۔ کب پہنچے تھے اس پر کچھ بحث ہے اور اس کا زمانہ 40 ہزار سال سے 11 ہزار سال تک بیان ہوتا ہے۔

میری دوسری دلیل اس حوالے سے یہ ہے کہ انسان کا روحانی ارتقا بھی اس طرح نہیں ہوا کہ پہلے لوگ کئی خداؤں کی عبادت کرتے تھے اور پھر ایک خدا تک پہنچے۔ ہم تو جانتے ہیں کہ معلوم

تاریخ میں بھی بنی اسرائیل توحید خالص سے بھٹک کر شرک اور تثلیث کی گمراہی میں جا گرے۔ ان دونوں دلائل سے مقصود اس بات کو واضح کرنا ہے کہ انسان کے بارے میں یہ تصور کہ اس کا ذہنی ارتقا ایک حیوان ناطق سے توحید پرست روحانی انسان تک ہوا ہے درست نہیں۔ انسان یہ سفر الٹی سمت میں بھی کرتے رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک انسان نے توحید سے آغاز کیا، مگر بعد میں شیطان کی دراندازی کی بنا پر وہ کثرت پرستی میں مبتلا ہو گیا۔

جہاں تک مغرب میں خاندانی نظام ٹوٹنے کا تعلق ہے تو میرے نزدیک اس کی اصل وجہ ارتقا نہیں بلکہ جنسی آزادی کا تصور ہے۔ اس جنسی آزادی کے ساتھ کبھی خاندان برقرار نہیں رہ سکتا۔

تذکیے و تسمیے (تذکیہ: جانور کو اس طرح ذبح کرنا کہ خون مکمل طور پر بہہ جائے۔ تسمیہ: بوقت ذبح جانور پر اللہ کا نام لینا) کے حوالے سے آپ کا بھیجا ہوا مضمون کافی طویل ہے۔ متعین سوال کر لیجیے تو مجھے سہولت ہو گی۔ میں نے اپنی کتاب ''کھول آنکھ زمیں دیکھ'' میں کینیڈا میں اپنے قیام کے احوال میں اس بات پر تنقید کی ہے کہ بعض عرب ان جانوروں کو کھا لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ جبکہ قرآن مجید کی سورہ انعام کی آیت 121 میں واضح طور پر حکم ہے کہ جن جانوروں پر اللہ کا نام نہ لیا جائے ان کو نہ کھاؤ۔ میرے نزدیک اس آیت کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں کہ جس جانور کے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے نہ کھایا جائے۔

صرف یہی نہیں بلکہ قرآن مجید نے اسی سورت کی آیت 118 اور 119 میں بار بار مثبت طور پر یہ بات بیان کی ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھاؤ۔ سوال یہ ہے کہ اس کے نام کے بغیر کھانا جائز ہے تو اس بات کے کہنے کا کیا فائدہ۔ صرف یہی کہنا کافی تھا کہ جس جانور پر

غیر اللہ کا نام لیا جائے اسے نہ کھاؤ۔ بات ختم تھی۔ چاہے اس پر اللہ کا نام لیا جائے یا کسی کا نام بھی نہ لیا جائے جانور جائز ہو جاتا۔ مگر یہ کہنا کہ اللہ کا نام لیا گیا کھاؤ اور اس کا نام نہ لیا گیا نہ کھاؤ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ جس پر نام نہ لیا گیا ہو اس جانور کو نہیں کھایا جا سکتا۔

امید ہے بات واضح ہو گئی ہو گی۔

ابو یحییٰ

جانور کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے کی حیثیت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں نے آپ کے بھیجے ہوئے مضمون کا مطالعہ کر لیا۔ مگر میں بہت ادب کے ساتھ یہ عرض کروں گا کہ میں صاحب مضمون سے اتفاق کرنے کی کوئی وجہ محسوس نہیں کرتا۔ ان کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ اللہ کا نام لینا قربانی کے جانوروں کے لیے ہی خاص ہے۔ خورد و نوش کے عام جانوروں کو اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کر کے بھی کھایا جا سکتا ہے۔ میرے نزدیک اس مفروضے کی تردید قرآن مجید خود جگہ جگہ اس طرح کرتا ہے کہ حرام جانوروں کے ضمن میں ہر جگہ **اھل لغیر اللہ** (یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور) کی حرمت کی صراحت کرتا ہے۔ کیا ان مقامات پر قربانی کے جانوروں کا ذکر ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ عام کھانے کے جانوروں کا ذکر ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں عام کھانے کے جانوروں کے ذبح کے وقت معبود کا نام لیا جانا معمول تھا۔ نہ صرف قرآن بلکہ دین ابراہیمی کی سابقہ روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ مشرکین تو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیتے ہوں اور انبیا اور ان کی امتیں بغیر اللہ کا نام لیے جانور کھا لیتے ہوں۔ چنانچہ قرآن خود ہی واضح کرتا ہے کہ عام جانوروں کے ذبح کے وقت بھی معبود کا نام لیا جاتا تھا۔ اس میں مشرکین نے جو انحراف پیدا کیا تھا قرآن نے اس

حوالے سے صرف یہ تصحیح کی ہے کہ یہ معبود غیر اللہ ہے تو اس جانور کا کھانا ناجائز ہے۔ ورنہ کھا سکتے ہیں۔ یہ عقل عام کی بات ہے جو معمولی غور و فکر سے سمجھی جا سکتی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک قرآن مجید ہی کی روشنی میں یہ مفروضہ بالکل بے اصل ہے کہ معبود کا نام صرف قربانی کے جانوروں ہی پر لینا شرط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ معبود کا نام عام ذبح کے وقت لیا جانا ہی قدیم روایت تھی۔ مشرکانہ توہمات کے تحت اس میں اللہ کی جگہ دیوی دیوتا کا نام لیا جانے لگا جس کی اصلاح کر کے قرآن نے یہ بیان کر دیا کہ جن پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ نہ کھاؤ۔

یہی معاملہ سورہ انعام کی آیت 121 کا ہے۔ فاضل مصنف اس آیت میں بیان کردہ تسمیہ (یعنی اللہ کا نام لینا) کی لازمی شرط کو قربانی کے جانوروں کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں۔ اس کے لیے وہ ایک مفروضہ قائم کرتے ہیں کہ مشرکین کچھ جانور اللہ کے لیے قربان کرتے تھے اور کچھ غیر اللہ کے لیے۔ چنانچہ مسلمانوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ غیر اللہ کی حرمت کی وجہ سے مشرکین کی وہ قربانی بھی جائز نہیں جو اللہ کے لیے کی گئی ہو۔ چنانچہ ان کو آیت 118 میں یہ سمجھایا گیا کہ اللہ کا نام لیا جائے تو کھا لیا کرو۔ اور آیت 121 میں یہ کہا گیا کہ قربانی کے ایسے جانوروں پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو نہ کھایا کرو۔

ہمارے نزدیک ان آیات کا یہ فہم بالکل غلط ہے۔ پہلی وجہ تو وہی ہے جو ہم نے خط کے شروع میں بیان کی ہے۔ یعنی قرآن مجید جب **اھل لغیر اللہ** (یعنی غیر اللہ کے نام پر کیا گیا ذبیحہ) کی حرمت بیان کرتا ہے تو معاملہ محض ان جانوروں کا نہیں ہوتا جن کی قربانی کی جا رہی ہو۔ قرآن مجید کے تمام نظائر یہ بتاتے ہیں کہ یہ اصل میں تمام ذبح کیے جانے والے مویشیوں کا معاملہ تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ "مسلمانوں کو غلط فہمی لگنا" یہ محض مصنف کا اپنا مفروضہ ہے۔ قرآن

مجید میں اس کا کوئی اشارہ نہیں۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس آیت 119 یہ تصریح کرتی ہے کہ اصل معاملہ یہ تھا کہ یہ مشرکین اپنے اوہام اور خواہشات کو دین کے نام پر پھیلا رہے تھے۔ چنانچہ معاملہ کسی مسلمان کی غلط فہمی کا نہیں تھا بلکہ حد سے بڑھنے والے مشرکین کی پھیلائی ہوئی گمراہی کا تھا ہے۔ چنانچہ آیت 119 نص قطعی ہے کہ یہ سلسلہ کلام مسلمانوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے نہیں بلکہ کفار کی پھیلائی ہوئی گمراہی اور بدعتوں کی تردید میں اترا ہے۔

تیسرے ان آیات میں عام جانوروں کے عموم کو قربانی کے جانوروں کے لیے وہ خاص کر رہے ہیں اس کا کوئی قرینہ کلام میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آیت 119 یہ بتاتی ہے کہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ کفار نے اپنی خواہشات کے تحت جانوروں کی حلت وحرمت کے باب میں اللہ کی مقررہ کردہ حد سے آگے بڑھ کر مبتدعانہ طور پر ایک قانون سازی کر لی تھی۔ وہ قانون سازی یا شریعت سازی کیا تھی، اس کی تفصیل اس سورہ انعام سمیت قرآن مجید کے کئی دیگر مقامات پر ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انھوں نے بعض حلال مویشیوں کو بطور مقدس اور محترم ٹھہرا دیا تھا (مائدہ 103)۔ بعض پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ (انعام 138)، اسی طرح مزید کچھ اور خرافات تھیں جنھیں آیات (انعام 139-138) میں بیان کیا گیا ہے۔

چوتھی بات یہ کہ انعام 136 سے قربانی کے جانوروں کا جو مضمون فاضل دوست ان آیات میں داخل کر رہے ہیں وہ خود آیت 136 میں بھی پایا نہیں جاتا، ان آیات میں کیسے آ جائے گا؟ آیت 136 صرف یہ بتا رہی ہے کہ مشرکین اللہ کی پیدا کردہ پیداوار اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کا اور ایک غیر اللہ کا مقرر کرتے تھے۔ پھر جس گمراہی کو قرآن نمایاں کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا حصہ وہ مشرکین کی نذر کر دیتے تھے۔ جانوروں کا ذبح کرنا اور اس پر اللہ یا غیر اللہ کا نام لینا آیت 136 کا سرے سے موضوع ہی نہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک جو کچھ انھوں نے لکھا ہے

وہ محض اپنی سوچ کو زبردستی قرآن میں داخل کرنے والی بات ہے۔ ہمارے نزدیک کسی طور ان آیات کو قربانی کے جانوروں تک خاص نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے نزدیک آیات کا سادہ ترین مطلب یہ ہے کہ انمشر کین کے مشرکانہ توہمات کی پروانہ کرواوران مویشیوں پر جن کو یہ مقدس اورمحترم سمجھ کر چھوڑے ہوئے ہیں انھیں اللہ کا نام لے کر اطمینان سے کھاؤ۔ ایسا نہ کروگے بلکہ ان کے توہمات کی پیروی کروگے تو تم بھی مشرکوں میں سے ہوجاؤ گے۔اور اللہ کا نام جن جانوروں پر نہ لیا جائے ان کو بھی نہ کھاؤ کہ یہ نافرمانی ہے۔

میری ناقص رائے میں فاضل مصنف کی اس بنیادی غلطی کو واضح کرنے کے بعد مزید کچھ کہنے یا مضمون میں بیان کردہ دیگر دلائل پر کسی تبصرے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

ابو یحییٰ

جہاں رہیں بندگان خدا کے لیے باعث رحمت بنیے ، باعث آزار نہ بنیے ۔

دین کے بنیادی تقاضے

پروفیسر محمد عقیل

- ☆ دین کے احکامات پر مبنی ایک کتاب
- ☆ تزکیہ نفس کرنے والوں کے لئے مشعل راہ
- ☆ دین کے اوامر ونواہی کی سائنٹفک پریزنٹیشن
- ☆ ہر حکم کی مختصر تشریح
- ☆ ہر امر کا قرآن وحدیث سے حوالہ

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (19)

دلائل توحید

مضامین قرآن کا خلاصہ

ہم اس کتاب میں قرآن مجید کے مضامین کو ایک سائنٹفک ترتیب سے زیر بحث لا رہے ہیں۔ ہم نے ابتدا میں یہ بات بیان کی تھی کہ بنیادی طور پر تین ہی اصل مضامین ہیں جو قرآن مجید میں زیر بحث آئے ہیں۔ یہ تین بنیادی مضامین درج ذیل ہیں:

۱) دعوت دین اور اس کے ردو قبول کے نتائج

۲) دعوت کے دلائل

۳) مطالبات

ہم نے دعوت کے دلائل سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا تھا اور اب تک ہم قرآن مجید میں بیان کیے گئے وجود باری تعالیٰ کے دلائل اور آخرت کے دلائل پر تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔ اب ہم اللہ کی توفیق سے توحید کے دلائل پر گفتگو شروع کر رہے ہیں۔

توحید: دین کی بنیادی دعوت

توحید کی دین اسلام اور قرآن مجید میں کیا اہمیت ہے اس پر تفصیل سے تو اسی وقت بات ہوگی جب ہم دعوت دین کے موضوع پر کلام کر کے یہ بتائیں گے کہ وہ کیا بنیادی دعوت ہے جو قرآن مجید اپنے مخاطبین اور ہر دور کے انسانوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ تاہم توحید کے دلائل پر گفتگو کرنے سے قبل اس بات کی ضرورت ہے کہ یہ واضح کیا جائے کہ توحید دین کا بنیادی عقیدہ

اور ایک اللہ کی عبادت تمام انبیا، رسل اور صالحین کی دعوت رہی ہے۔ انسان اور جن اس دنیا میں اسی مقصد کے لیے بھیجے گئے ہیں کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کریں۔ یہی ان کا مقصد تخلیق ہے۔ یہ عبادت صرف ذکر و تسبیح، رکوع و سجود ہی سے عبارت نہیں بلکہ نہاں خانہ دل میں رب کی محبت اور اس کے خوف سے شروع ہوتی اور خارج کے ہر گوشے اور حیات انسان کے ہر شعبے میں اس کی اطاعت کے ساتھ اس کی پوری زندگی کا احاطہ کر لیتی ہے۔ تنہا ایک ہی رب کی عبادت کی یہ وہ سیدھی شاہراہ اور صراط مستقیم ہے جو انسان کو زندگی کے ہر پیچ و خم اور اخروی زندگی کے ہر موڑ سے باسلامت گزار کر جنت الفردوس کی ابدی بادشاہی کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔

توحید کی یہی وہ سیدھی راہ ہے جس سے ہٹانے کا عہد روز ازل ابلیس ملعون نے کیا تھا۔ یہی اس کا مشن تھا جس کے لیے اس نے پروردگار عالم سے یہ کہہ کر مہلت مانگی تھی کہ تو ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار نہ پائے گا۔ اس ناشکرے پن سے اس کی مراد یہ تھی کہ انسان اس دنیا کی آزمائش میں اترنے کے بعد اپنے خالق و مالک کو بھول جائے گا۔ وہ اس کے در سے منہ موڑ کر اور اس کی بندگی کو چھوڑ کر شیاطین، بتوں، انبیا و صالحین، درختوں، پتھروں، چاند، سورج، ستاروں، جانوروں اور اپنے جیسے انسانوں کو پوجتا رہے گا۔ توحید کی سیدھی شاہراہ کو چھوڑ کر شرک کی پگڈنڈیوں میں بھٹک جائے گا۔ اور انھی میں بھٹکتے بھٹکتے آخر کار جہنم کے گڑھے میں جا گرے گا۔

چنانچہ شیطان کے اس چیلنج کے جواب میں بندوں کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اور ہر قوم میں انبیاء کو مبعوث کیا۔ یہی انبیا کی بعثت کا اصل مقصد ہے۔ نبی اگر آتے ہیں تو اس لیے کہ اللہ کی بندگی کی دعوت دیں۔ کتابیں اگر ان انبیاء پر اترتی ہیں تو اس لیے کہ اللہ کی بندگی اور اطاعت کا طریقہ لوگوں کو بتائیں۔ فرشتے اگر ان کتابوں میں مذکور ہیں تو اس لیے کہ لوگ

جان لیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور کچھ نہیں۔آخرت اگر دین کا عقیدہ ہے تو اس لیے کہ یہ خدا سے ملاقات اور اس کے حضور پیشی کا دن ہے۔غرض دین کا ہر عقیدہ جس بنیاد اور ہر جز جس کل کے گرد گھومتا ہے وہ یہی عقیدہ توحید ہے۔

دلائل کی اہمیت

دلائل توحید کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جس طرح غیر مسلموں کو خدا کو ماننے ،ایک ماننے ،تنہا اس کی عبادت کرنے ،اس کی بات کو سب سے اہم سمجھنے سے انکار ہے، ٹھیک اسی طرح اسلام کے نام لیوا بھی خدا کی ذات، صفات اور اختیارات کے حوالے سے ہر طرح کی کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔جس طرح وہ غیر اللہ کے نام کی مالا جپتے ہیں، ہم بھی غیر اللہ کی عظمت کے احساس میں جیتے ہیں۔ہم چونکہ پیدائشی مسلمان ہیں، اس لیے غیر اللہ کو خدائے واحد کے بالمقابل لاتے ہوئے کچھ نہ کچھ تاویل سے کام لیتے ہیں۔مگر سچی بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے پورے دل، پوری جان، پورے شعور اور پورے ارادے کے ساتھ خدا کو ایسے نہ پوجا جیسے اس کی پرستش کا حق تھا۔اس کی بندگی ایسے نہ کی جیسے اس کی عبادت کا حق تھا۔اس کی بات ایسے نہ مانی جیسے اس کی اطاعت کا حق تھا اور اس کلام سے اس طرح نہ جڑے جیسے کہ جڑنے کا حق تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں مذکور توحید کے یہ دلائل صرف غیر مسلموں کے لیے ہی مفید نہیں بلکہ ہم مسلمانوں کو بھی یہ احساس دلاتے ہیں کہ وہ کیسا عظیم خدا ہے جس کی ناشکری اور ناقدری کے ہم مرتکب ہو رہے ہیں۔

قرآن مجید میں توحید کی پانچ دلیلیں بیان ہوئی ہیں۔ہم ذیل میں ان کا خلاصہ نقل کر رہے ہیں۔پھر ایک ایک کر کے ان پر تفصیل سے بات کریں گے۔

ا) دلیل ربوبیت

یہ دلیل بتاتی ہے کہ اس دنیا میں انسان کے لیے جو سامان زندگی بہترین طریقے پر میسر کیے گئے ہیں وہ زبان حال سے گواہ ہیں کہ اس درجہ متنوع کائنات میں ہم آہنگی پیدا کر کے زمین سے آسمان تک انسان کی ربوبیت کا اہتمام کرنے والی ایک ہی ہستی ہے اور وہی ہے جو انسان کے جذبہ پرستش اور بندگی کی تنہا حقدار ہے۔

۲) دلیل قدرت

اس دنیا میں قدرت کاملہ صرف ایک ہی ہستی کو حاصل ہے جو کسی کی محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ ہر نفع وضرر اسی کے ہاتھ میں ہے۔اس لیے وہی مستحق عبادت ہے۔اس کے علاوہ جن کی پوجا کی جاتی ہے وہ کوئی قدرت نہیں رکھتے۔ وہ بے جان بت ہیں، کمزور اور محتاج انسان ہیں یا پھر وہ فرشتے ہیں جو خود کوئی قدرت اور طاقت نہیں رکھتے۔

۳) دلیل فطرت

انسان کی فطرت اندر سے گواہی دیتی ہے کہ اس کا رب ایک ہی ہے۔ربوبیت کا یہ اقرار روز ازل سے اس کی فطرت کے اندر ودیعت کر دیا گیا ہے۔خواہشات اور تعصّبات کی بنا پر اس فطرت پر پردہ پڑ جاتا ہے،مگر مصیبت میں یہ پردہ پھٹ جاتا ہے اور انسان ہر طرف سے مایوس ہو کر ایک ہی رب کو پکارتا ہے۔یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک خدا ہی اصل معبود ہے۔

۴) نظم کائنات کی دلیل

انسان جس کائنات میں کھڑا ہے وہ بالکل متضاد اور متنوع عناصر کا مرکب ہے۔مگر مشاہدہ ہے کہ زمین و آسمان، خشکی و پانی، ہوا اور آگ جیسے متضاد عناصر ملتے ہیں اور بقائے زندگی کا وہ سامان(Life supporting System)فراہم کرتے ہیں جو ایک خالق کے بغیر ممکن نہیں۔اگر ان کے خالق الگ الگ ہوتے تو اپنی مرضی سے ان متضاد عناصر کو کنٹرول کرتے اور

یوں زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔مگر یہ دھرتی فساد سے نہیں بلکہ زندگی کے حسن سے عبارت ہے۔ یہ ایک خالق کے وجود کا جیتا جاگتا ثبوت ہے جو تنہا ہماری عبادت کا مستحق ہے۔

۵) انسانی علم و روایت کی دلیل

انسان کا سفر توحید کی سیدھی شاہراہ سے شروع ہوا۔انسان اس راہ سے بھٹک کر بارہا شرک کی تاریک راہوں میں نکل گیا لیکن توحید کی سیدھی راہ اپنی جگہ باقی رہی۔ایک خدا کے سوا کتنے معبود بنے اور وہ کون تھے اس بارے میں بہت اختلاف ہے،مگر ایک خدا موجود ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے، یہ انسانی علم کی وہ وراثت ہے جس میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اصل تعلیم ابتدا ہی سے توحید کی تھی۔ باقی سب انحرافات تھے۔مزید یہ کہ توحید کے حق میں تو آسمانی صحائف میں بہت کچھ پایا جاتا ہے،مگر شرک کے حق میں ان میں ایک دلیل بھی موجود نہیں ہے۔حتیٰ کی حضرت عیسی جنہیں سب سے زیادہ بڑے پیمانے پر اللہ کا شریک بنایا گیا ان کی تعلیم بھی شرک کے بیان سے بالکل خالی ہے۔یہی معاملہ انفس و آفاق اور فطرت انسانی کا ہے جس میں شرک کے حق میں کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔

یہ توحید کے وہ پانچ دلائل ہیں جو قرآن پاک میں بار بار مختلف پہلوؤں سے دہرائے گئے ہیں۔ اس کے بعد انشاءاللہ ان میں سے ایک ایک کو لے کر اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

[جاری ہے]

چھٹا اصول: تعلقات و آداب معاملات

خاندان ماحول اور تعلیم گاہ انسان کی زندگی میں بنیادی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ خاص طور پر خاندان سے انسان سب سے زیادہ حاصل کرتا ہے جس میں دین و اخلاق کے آداب اور معاملات بہت اہم ہیں۔ اس لیے خاندان یا گھر کا ماحول انسان کی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور یہ سب گھر سے حاصل کر کے وہ باہر کے ماحول میں اچھی زندگی گذار سکتا ہے۔ بعض لوگ گھر میں بدترین اخلاق کے حامل ہوتے ہیں مگر باہر جب دوسروں کے سامنے ہوتے ہیں تو بہت بااخلاق بنتے ہیں۔ احادیث میں اس کا ذکر ملتا ہے کہ ایک نسل ایسی بھی ہوگی جو بیوی کی اطاعت کرے گی اور ماں کے ساتھ معصیت کی مرتکب ہوگی، وہ دوست پر خرچ کرے گی مگر والد سے دور ہوگی، (مسلم و بخاری)۔

ان مسائل سے تب ہی بچا جا سکتا ہے جب گھر اور خاندان میں فرد کی اچھے انداز سے تربیت کی گئی ہو۔ والدین کا ادب احترام، ان کی فرماں برداری، ان کے ساتھ بھلائی اور خصوصیت سے ان کا خیال رکھنا، زوجین کا باہم حسن معاشرت سے رہنا۔ جس میں حلم و حکمت اور آواز کو پست رکھنا، لڑائی جھگڑے سے بچنا، شوہر کی اطاعت کرنا، بیٹوں اور بیٹیوں کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آنا، دین و دنیا کے معاملات میں حسن معاملہ اختیار کرنا شامل ہے۔ ان گذارشات کو سامنے رکھا جائے تو مستحسن ہوگا:

گھر میں کسی کی بدتمیزی، اور بے اخلاقی پر خاموشی اختیار کرنا درست نہیں لیکن ضروری ہوگا کہ اس کے علاج کے لیے مناسب اسلوب اور طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس کے علاوہ مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے جس وقت نصیحت کارگر ثابت ہو۔

بچوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے خاص طور پر جب وہ آس پڑوس کے دیگر بچوں سے میل جول رکھنے لگیں۔ بچے کو یہ سکھایا جائے کہ اپنے سے بڑے کی عزت کرے ان کے سامنے اونچی آواز سے نہ بولے نہ انھیں تکلیف واذیت دے۔

بچہ پیدا ہوتے ہی چیزوں کو سمجھنے لگتا ہے اس لیے اسی وقت سے اس کو اچھی اور بری چیزوں کے بارے میں بتانا شروع کر دیں تا کہ وہ بڑا ہو کر اچھی اور بری کا فرق سمجھ سکے۔

گھر کے تمام افراد خدمت کے جذبے سے سرشار ہوں اور وہ اس انتظار میں نہ رہیں کہ ان کی خدمت کی جائے گی۔ یہ صورت بہت کم دکھائی دے کہ کوئی کسی کو ضرورت کے لیے بلائے، گھر کے افراد کی تربیت اس انداز سے کی جائے کہ ہر فرد دوسرے کے ساتھ عاجزی ونرمی برتے اور مہمانوں کے ساتھ بھی ایسا ہی رویہ اختیار کرے۔

دوسروں سے جب بات کریں تو بھلی اور خوب صورت بات کریں۔

گھر کا ہر فرد مہمان کا استقبال اور اس کی خدمت کھلے دل سے کرے۔ اس میں مضائقہ نہیں کہ مہمان آنے پر بچے اس کے ساتھ کچھ وقت گذاریں البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ تنگی محسوس نہ کرے۔

گھر کے تمام افراد کی یہ کوشش ہو کہ وہ حدود سے نہ نکلیں' اور بے جا تصرف نہ کریں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جو گھر کے تمام ذوق سے میل نہ کھاتی ہو اسی طرح بے جا ہنسی مذاق سے بھی گریز کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

[نوٹ یہ سلسلہ مضامین سعید حویٰ کی تصنیف ''البیت المسلم '' کی تلخیص وترجمہ پر مشتمل ہے]

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ (22)

مصطفیٰ کمال اور کمال ازم

مصطفیٰ کمال کی تحریک

مصطفیٰ کمال کو جدید ترکی کا بانی کہا جاتا ہے۔ وہ 1881ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے استنبول کے ملٹری اسکول سے تعلیم حاصل کی۔ 1902ء میں وہ فوج میں لیفٹیننٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اگلے دس سال میں ترقی کر کے وہ سینئر میجر کے عہدے تک جا پہنچے۔ 1912ء میں بلقان کی جنگ کی انہوں نے غیر معمولی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ 1914ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی جس میں ترکی نے جرمنی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ 1915ء میں برطانوی اور فرانسیسی افواج نے آبنائے چناق قلعہ کے ذریعے ترکی پر حملہ کیا جس میں مصطفیٰ کمال نے شدید مزاحمت کی۔ 1916ء میں انہوں نے مشرقی محاذ پر روسی افواج کے خلاف جنگ کی اور کئی فتوحات حاصل کیں۔

پہلی جنگ عظیم میں جرمنی اور اس کی اتحادی افواج کو شکست ہوئی جس میں ترکی بھی شامل تھا۔ برطانیہ اور فرانس نے عثمانی سلطنت کے مقبوضات پر قبضہ کرنا شروع دیا۔ اس دور میں عثمانی سلطنت موجودہ دور کے سعودی عرب کے مغربی حصے، عراق، شام، فلسطین، افریقہ کے کچھ ساحلی ممالک اور ترکی پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ ترکی پر یونانی اور فرانسیسی افواج نے قبضہ کر لیا۔

کمال نے ان افواج کے خلاف مزاحمت کا فیصلہ کر لیا۔ ان کی قیادت میں ترکوں نے اپنی جنگ آزادی کا آغاز 1919ء میں سامسن سے کیا۔ اگلے دو تین برس کے عرصے میں ترکوں نے اس جنگ آزادی میں فتح حاصل کی اور جدید جمہوریہ ترکی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس جنگ میں

مصطفیٰ کمال کی خدمات کے نتیجے میں انہیں حکومت کا سربراہ بنا دیا گیا اور استنبول کی جگہ انقرہ کو جدید ترکی کا دارلحکومت بنا دیا گیا۔ 1923ء سے لے کر 1938ء میں اپنی موت تک مصطفیٰ کمال ترکی کے حکمران رہے۔

نظریاتی اعتبار سے کمال ایک کٹر نیشنلسٹ تھے۔ ان کے اندر قوم پرستی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کی نظریاتی تربیت نوجوانان ترک (Young Turks) کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اپنے دور میں انہوں نے ترکی میں بہت سی تبدیلیوں کی بنیاد رکھی۔ ان کی خواہش تھی کہ ترکی کو ایک جدید ریاست بنایا جائے۔ اس مقصد کے لئے تبدیلیوں کی جو لہر پیدا کی اس کی کچھ تفصیل یہ ہے۔

عثمانی بادشاہت کا خاتمہ: کمال سے پہلے ترکی پر عثمانی بادشاہوں کی حکومت تھی۔ ان کا نظام حکومت "تھیوکریٹک بادشاہت" تھا جسے وہ "خلافت" کہا کرتے تھے۔ کمال نے اس مذہبی بادشاہت کو ختم کر کے سیکولر جمہوریہ قائم کی۔

سیکولرازم کا فروغ: کمال مغرب کے اس نظریے سے بری طرح متاثر تھے کہ ریاست اور مذہب کو علیحدہ ہونا چاہیے۔ انہوں نے نہ صرف ریاست کو مذہب سے الگ کر کے خالص سیکولر حکومت قائم کی بلکہ مذہبی علماء کے اثر کو کم کرنے کے لئے ان پر بہت سی پابندیاں بھی عائد کر دیں۔

مذہبی لباس پر پابندی: عثمانی دور میں مرد و خواتین کے لئے مخصوص لباس پہننے کی پابندی تھی۔ علماء ایک مخصوص لباس پہنا کرتے تھے۔ کمال نے 1934ء میں ہر قسم کے مذہبی لباس پر پابندی عائد کر دی۔ اس میں خواتین کے حجاب پر پابندی بھی شامل تھی۔ مردوں اور خواتین کے لئے مغربی لباس کو فروغ دیا گیا۔

خواتین سے متعلق تبدیلیاں: عثمانی دور میں خواتین کو کچھ حقوق سے محروم رکھا گیا تھا۔ کمال نے انہیں ووٹ اور سرکاری ملازمت کا حق دیا۔ نکاح و طلاق کے قوانین میں ترامیم کی گئیں۔ خواتین

کو حقوق دینے کے ساتھ ساتھ ان پر یہ پابندی بھی عائد کی گئی کہ وہ پبلک لائف میں اپنی مرضی کا لباس پہننے کی بجائے مغربی لباس پہنیں۔

مذہبی قوانین کا خاتمہ: کمال کے عہد میں مذہبی قوانین کو ختم کر دیا گیا اور مکمل سیکولر قوانین کو رائج کیا گیا۔

حروف تہجی میں تبدیلی: عثمانی دور میں ترکی زبان، عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ کمال نے اس کی بجائے اسے رومن حروف میں لکھنے کا حکم جاری کیا۔

اذان، نماز اور قرآن کی زبان میں تبدیلی: 1933ء میں یہ حکم جاری کیا گیا کہ اذان ترکی زبان میں دی جائے اور قرآن مجید کی تلاوت ترکی زبان میں کی جائے۔ نماز بھی ترکی زبان میں ادا کی جائے۔

مغربی تہذیب کا فروغ: کمال نے ترکی میں مغربی تہذیب کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے مغربی رقص و موسیقی کی محفلوں کو سرکاری سرپرستی فراہم کی۔ مغربی لباس پہننے پر زور دیا اور اپنے پیروکاروں کو مغربی طرز زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی۔ ان کے نزدیک مغربیت اور جدیدیت ہم معنی تھیں۔

ایلیٹ ازم کا خاتمہ: عثمانی دور میں اشرافیہ سے تعلق رکھنے والے افراد کو مختلف خطابات دیے جاتے تھے۔ اشرافیہ کا طبقہ عوام سے بلند سمجھا جاتا تھا۔ کمال نے اسے ختم کرنے کے لئے اشرافیہ کے القابات پر پابندی عائد کر دی۔ یہ اور بات ہے کہ کمال کے اقدامات کے نتیجے میں ایک نئی ایلیٹ کلاس پیدا ہو گئی۔

مدارس اور خانقاہوں پر پابندی: کمال نے مذہبی مدارس اور خانقاہوں پر پابندی عائد کر دی تاکہ مذہبی طبقے کو کچلا جا سکے۔

یکساں تعلیمی نظام کا قیام: ملک میں مختلف طبقوں کے لئے مختلف تعلیمی نظام قائم تھے۔ کمال نے یکساں تعلیمی نظام رائج کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے بلیک بورڈ لے کر ایک ایک قصبے میں جا کر خود تعلیم دینے کے عمل کا آغاز کیا۔

آمرانہ نظام حکومت کا قیام: کمال نے بادشاہت کا خاتمہ کرتے ہوئے جمہوری حکومت قائم کی مگر یہ جمہوری حکومت صرف ایک پارٹی کی حکومت پر مبنی تھی۔

ان اقدامات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آل اباؤٹ ترکی ڈاٹ کام کے بوراک سنسال لکھتے ہیں:

حکومت سنبھالتے ہی اتاترک نے ملک کی سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی میں انقلابات کے سلسلے کا آغاز کیا جس کا مقصد ترکی کو ایک جدید ریاست بنانا تھا۔ ان کے نزدیک جدیدیت کا مطلب مغرب پرستی تھی۔ ایک موقع پر، ایک سیکولر قانونی ضابطہ جو کہ یورپی خطوط پر تیار کیا گیا تھا، نافذ کیا گیا جس نے خواتین، شادی اور خاندانی تعلقات کو متاثر کیا۔ ایک اور موقع پر، اتاترک نے اپنے ہم وطنوں کو یورپیوں کی طرح سوچنے اور عمل کرنے کی تلقین کی۔ یورپی لباس پہننے کے لئے ترکوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اتاترک نے سرکاری تقریبات میں بذات خود بال روم ڈانس کرنے کی حوصلہ افزائی کی۔ "سرنیم" اختیار کیے گئے۔ مثال کے طور پر مصطفیٰ کمال، کمال اتاترک بن گئے۔ عصمت پاشا (وزیر اعظم) نے جنگ آزادی میں اپنی کامیابیوں کو یاد رکھنے کے لئے "انونو" کو سرنیم کے طور پر اختیار کیا۔

اس طرح اتاترک نے اس بات پر زور دیا کہ ماضی سے تمام رشتے توڑ دیے جائیں جسے وہ غلط سمجھتے تھے۔ (عثمانی دور کے) القابات ختم کر دیے گئے۔ فیض (ترکی ٹوپی) پر پابندی لگا دی گئی جو کہ ایک صدی پہلے پگڑی کی جگہ رائج کی گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قوم پرستوں کے نزدیک یہ

عثمانی دور کی علامت تھی۔

اتاترک کے انقلابی پروگرام کی نظریاتی بنیاد کمال ازم کہلاتی ہے۔اس کے بنیادی نکات چھ ہیں۔ان میں جمہوریت،قوم پرستی، نچلے طبقے کی حکومت، انقلابیت،معیشت پر حکومتی کنٹرول، اور سیکولرازم شامل ہے......

غیر معمولی صلاحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتاترک نے ترکی زبان کو از سر نو ایجاد کیا اور ترکی کی تاریخ کو ایک نئے قوم پرستانہ سانچے میں ڈھال دیا۔ زبان سے متعلق اصلاحات کے ایک حصے کے طور پر اتوار کو صدر خود انقرہ کے ایک پارک میں جا کر لاطینی حروف تہجی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔http://www.allaboutturkey.com/reform.htm

مصطفیٰ کمال کے بارے میں ہمارے ہاں متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔سیکولر حضرات کے لئے وہ ایک آئیڈیل اور فرشتے کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ بہت سے مذہبی حضرات کے نزدیک ان کی حیثیت اہل مغرب کے ایک ایجنٹ کی سی تھی۔ چونکہ کسی کی ذات کے بارے میں بحث کرنا ہماری عادت نہیں ہے، اس وجہ سے ہم اپنی بحث کو صرف اور صرف ان کے اقدامات تک ہی محدود رکھتے ہیں۔

ہمارے ہاں کسی شخص کے اقدامات کا تجزیہ کرتے ہوئے متعصّبانہ طریق کار اختیار کیا جاتا ہے۔کسی شخص کے ایک اقدام سے اگر ہمیں اختلاف ہو تو ہم اس کے تمام اقدامات کو اسی نظر سے دیکھتے ہوئے مسترد کر دیتے ہیں۔اسی طرح اگر ہم کسی شخص کے ایک اقدام کو اچھا سمجھتے ہوں تو پھر اس کے تمام اقدامات کو زبردستی اچھا قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ طریق کار بالکل ہی غلط ہے۔ تجزیے کا درست طریقہ یہ ہے کہ ہمیں اس شخص کے اقدامات کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لے کر ہر معاملے کے بارے میں درست و غلط کا فیصلہ کرنا چاہیے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

غزل

اِک اِضطرابِ مسلسل سے آنکھ بھر آنا
یہ جسم و جاں کی تھکن اور دِل کا گھبرانا

نہ کوئی خواب، نہ جگنو، نہ روشنی کوئی
ہو شہرِ جاں میں اندھیرا تو کیا نظر آنا

ہمارے شہر کے حالات کا بھروسہ کیا
خبر جو پھیلی تو جنگل کی آگ لگ جانا

یہ عجلتیں تو تھکن سے نڈھال کردیں گی
کرو جو کام تو صبر و سکوں سے کر جانا

خدا سے شکوے شکایت روش ہماری ہے
گلا زمانے سے کرتے ہوئے ہی مر جانا

وہ باخبر بھی ہے، بندوں سے خوب واقف ہے
خدا کے سامنے ہی اپنے ہاتھ پھیلانا

سفر کی راہ میں سو پیچ و خم بھی آتے ہیں
عبور کرتے ہوئے راستے گزر جانا

بلند حوصلے ہی آندھیوں سے لڑتے ہیں
چراغ بجھ نہیں پائے ہوا کو سمجھانا

جو ماہ و سال کے لمحے ہماری عمر بنے
عنایتیں ہیں یہ رب کی انھیں نہ ٹھکرانا

ہے اِعترافِ حقیقت مگر یہ کہنے دو
بدل رہا ہے زمانہ، نہ تم بدل جانا

یہ زندگی ہمیں دیتی ہے روشنی کی نوید
حنا حوادثِ دنیا سے تم نہ گھبرانا

جن معاملات میں آپ کچھ نہیں کرسکتے ان کے لیے پریشان ہونا نادانی ہے اور جن معاملات میں آپ کچھ کر سکتے ہیں ان کے لیے پریشان ہوتے رہنا زیادہ بڑی نادانی ہے (ابویحییٰ)

لوگ اس لیے پریشان رہتے ہیں کہ ان کے مرنے کے بعد اولاد کا کیا ہو گا جبکہ

رمضان کا خصوصی تحفہ

رحمتوں کے سائے میں

روزے کی حقیقی روح پیدا کرنے والے مضامین

روزے کی عبادت کو زندہ عبادت بنا دینے والی تحریریں

نظر ثانی اور خصوصی اضافوں کے ساتھ ابو یحییٰ کی کتاب

''تیسری روشنی''

شائع ہو گئی ہے

- ☆ ابو یحییٰ کی داستان حیات ۔ تلاش حق کی سچی کہانی
- ☆ نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد
- ☆ جب زندگی شروع ہو گی کے حوالے سے اٹھائے گئے اہم سوالات کا جواب
- ☆ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے والے رویوں کا تفصیلی بیان
- ☆ امت مسلمہ کے اتحاد کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے ایک رہنما تصنیف
- ☆ ابو یحییٰ کی ایک اور منفرد تصنیف

قرآن کن لوگوں کے لیے ہدایت ہے

’’ الف، لام، میم۔ یہ کتاب الٰہی ہے۔اس کے کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں۔
ہدایت ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لیے۔
ان لوگوں کے لیے جو غیب میں رہتے ہوئے ایمان لاتے ہیں۔
اور نماز قائم کرتے ہیں۔
اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔
اوران کے لیے جوایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو تم پر اتاری گئی ہے اور جو تم سے پہلے اتاری گئی ہے۔
اور آخرت پر یہی لوگ یقین رکھتے ہیں۔یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔‘‘(البقرۃ2:5-1)

حدیث: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلے میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلے میں۔البتہ، تقویٰ یعنی خوف خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔(مسند احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ سے ڈرے اس کے لیے مالداری میں کوئی حرج نہیں، اور صحت مندی صاحب تقویٰ کے لیے دولت مندی سے بھی بہتر ہے اور خوشحالی بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ہے۔(مسند احمد)